© rasailojaraid.com

روزنامہ انقلاب اور تحریک پاکستان: منتخب اداریے

عذرا وقار
سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد

روزنامہ انقلاب نے ہمیشہ مسلمانوں خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں کے حقوق کیلئے آواز بلند کی۔ یہ روزنامہ ۱۹۲۷ء میں عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر نے "زمیندار" سے علیحدہ ہو کر جاری کیا تھا۔ یہ اخبار ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۹ء تک نکلتا رہا۔ "انقلاب" میں اداریہ نگاری کے فرائض غلام رسول مہر ادا کرتے اور عبدالمجید سالک افکار و حوادث کا کالم لکھتے تھے۔ مہر صاحب اداریہ نگاری میں منفرد اسلوب کے مالک تھے وہ ہنگامہ خیزی اور جوش و خروش کے قائل نہ تھے۔ ان کے سامنے چند اعلیٰ مقاصد تھے جنہیں بہتر سے بہتر طریقے پر آگے بڑھانا مقصود تھا۔ وہ منطق اور دلیل کے قائل تھے اور جب وہ کسی موقف کے حق میں دلائل و براہین کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے تو اس کا جواب دینا آسان نہ ہوتا۔

انقلاب نے مسلم لیگ کے دو دھڑوں میں سے شفیع لیگ کی حمایت کی لیکن پھر صوبائی انتخابات ۱۹۳۵ء سے پیشتر ان دونوں لیگوں کو اکٹھا کرنے میں بھی اس کا کردار کچھ کم نہ تھا۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر کچلو کے درمیان ابتدائی بات چیت مدیران انقلاب ہی نے کرائی۔ آخر دونوں لیگوں کی کونسلوں کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ سر محمد شفیع صدارت سے دست بردار ہو گئے اور مسٹر جناح واحد اور متحد آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے۔ (ڈاکٹر عبدالسلام خورشید "صحافت پاکستان و ہند میں" ص ۴۴۹)

اس انحاد سے پیشتر انقلاب نے اداریہ میں دونوں لیگوں کے نقطہ نظر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "یہ بحث بالکل بے معنی اور بے سود ہے کہ لیگ کے اکابرین میں آئندہ دستور کے متعلق نقطہ نگاہ کا اختلاف ہے یا سر سکندر حیات خان اور مسٹر جناح کی رائے ایک نہیں یا لیگ کی قرارداد کا مفہوم مختلف گروہوں کے نزدیک مختلف ہے۔ جن لوگوں کو حقیقی حالات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اصول و احساسات میں قطعاً اختلاف نہیں اور اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ہمارے جو ہندو بھائی ان نام نہاد اختلافات پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ آج یا کل لیگ کے ارکان و اکابرین سے کوئی فرد یا کوئی گروہ قرارداد کے اصول و مبانی سے انحراف کے لئے تیار ہو جائے اور اس طرح ہندوؤں کے نقطہ نگاہ کی تقویت کا باعث بن جائے گا تو یہ محض وہم ہے اور سراسر خام خیالی ہے۔ ایک بھی مسلمان بہ درستی ہوش و حواس یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلم اکثریتوں کو کارفرمائی کا حق نہیں ملنا چاہیئے یا مرکز کی ہندو اکثریت کو موقع دے دینا چاہیئے کہ وہ مسلم اکثریتوں کی کارفرمائی کو معطل و بے اثر بنا دے۔ لیگی قرارداد کی اساس یہی ہے۔ بتایئے مسٹر جناح نے اس اساس سے کب تجاوز فرمایا ہے؟" (روزنامہ انقلاب۔ اداریہ، ۱۷ جنوری ۱۹۴۱ء)

اس کے علاوہ نہرو رپورٹ کو ختم کرانے، مسلمانوں میں جداگانہ حقوق کا شعور پیدا کرنے، اور گول میز کانفرنسوں کے دوران مسلمانوں کا زاویۂ نگاہ پیش کرنے میں بھی انقلاب نے نمایاں کردار ادا کیا اس نے لکھا "گاندھی نے گزشتہ پندرہ برس میں جو چالیں اختیار کیں وہ مسلمانوں کی بے تنظیمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر مبنی تھیں۔ خود مسلمانوں کے چند گروہ غلط اندیشی کی بنا پر اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ گاندھی کو یقین تھا کہ مسلمانوں کا تفرقہ ان کے لئے استقلال کی کوئی گنجائش نہ چھوڑے گا۔ نہرو رپورٹ اور اس کے بعد بمبئی والی سکیم (جو گاندھی نے گول میز کانفرنس میں بد دیانتی سے متفقہ حل کے طور پر پیش کی تھی) گاندھی کے اسی یقین کا نتیجہ تھیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے جب کہا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو گروہ ہیں اول حکومت اور دوم کانگریس، یہ دعویٰ مسلمانوں کی بے تنظیمی کی بنا پر بے تکلف پیش کیا گیا تھا۔ پھر پنڈت جی نے اس بے تنظیمی کو زیادہ سے زیادہ بڑی صورت دینے کی غرض سے مسلم عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ پیدا کرنے کا ڈھونگ کھڑا کیا جس کے متعلق کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

"یہ وہ وقت تھا جب قائداعظم مسٹر جناح نے لیگ کی تنظیم جدید شروع کی، اور مسلمانوں کو منظم و متحد کر دینے کا بیڑا اٹھایا۔ گزشتہ انتخابات کی حالت پر تفصیلی بحث کی یہاں ضرورت نہیں۔ لیکن لکھنؤ کانفرنس میں سر سکندر حیات خان اور مولوی فضل الحق اپنے ساتھیوں کو لیکر شریک ہوئے تھے تو ان کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ مسلمانوں کی آواز ایک ہو۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر سکندر نے تو لاہور میں پنڈت جواہر لال نہرو سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم نے لیگ میں شامل ہو کر کانگرس کے لئے موقع بہم پہنچا دیا ہے کہ وہ فرقہ وار مسائل کا فیصلہ کر دے۔ اب تک کہا جاتا تھا کہ مسلمان متحد نہیں ہیں۔ ان کی ایک جماعت اور ایک لیڈر نہیں ہے۔ ہم نے ایک جماعت بنا دی ہے۔ ایک لیڈر مہیا کر دیا ہے۔ جائیے اب جناح صاحب سے بے تکلف بات چیت کیجئے۔

(روزنامہ انقلاب۔ اداریہ ۱۲ نومبر ۱۹۴۲ء)

اس لئے کہ وہ بہ حیثیت صدر لیگ سارے مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔

تصفیہ حقوق کی جنگ ایسی پیچیدہ تھی کہ اس سے صرف مہر جیسے چابک دست اہل قلم اور اداریہ نگار ہی عہدہ برآ ہو سکتے تھے یہ حقائق اعداد و شمار اور منطق کی جنگ تھی، جس میں تقریر بازی اور خطیبانہ انداز بیان کام نہ آسکتا تھا یہی وجہ تھی کہ برعظیم کے تمام علیحدگی پسند مسلمان اخبارات ان کے اداریے پڑھ کر عش عش کر اٹھتے اور انہیں اپنے صفحات میں نمایاں طور پر نقل کرتے۔ (عبدالسلام خورشید صحافت پاکستان و ہند میں۔ ص ۴۵۳ - ۴۵۴)

قرارداد لاہور کی منظوری سے بیشتر ہی انقلاب میں ہر دوسرے تیسرے روز کوئی نہ کوئی مضمون پاکستان کی حمایت میں آتا اور یہ روش قیام پاکستان تک جاری رہی۔ مثلاً انقلاب کے اداریے میں قرارداد لاہور پر یوں تبصرہ کیا گیا۔

"لیگ کی قرارداد لاہور پر ہم مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے بارہا تفصیلاً بحث کر چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک اس کی پختگی اور حق شناسی کے دلائل ختم نہیں ہوئے۔ ہندوستان کے سیاسی مسائل کو حل کرنے کی بہترین منصفانہ صورت اس کے سوا کیا ہے کہ جس حصے میں کسی قوم کی اکثریت ہے اسے طبعی نشوونما اور ارتقاء کا پورا موقع دینا چاہیئے اور اس کے جائز حقوق اکثریت میں کسی نوع کی مداخلت نہیں ہونی چاہیئے اسی طرح اقلیتوں کے لئے جائز حفاظت کا پورا پورا انتظام ہو جانا چاہیئے۔ ہندوستان میں دو بڑی قومیں ہیں، ہندو اور مسلمان بعض صوبوں میں ہندوؤں کو اور بعض میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ یہ بات ہندوؤں کے لئے مسلسل باعث رنج و کدورت رہی۔ وہ دیکھتے تھے کہ اس سرزمین میں ان کا ہمہ گیر اقتدار محفوظ نہیں ہو سکتا، جب تک مختلف صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت معطل اور غیر مؤثر نہ بن جائے۔ چنانچہ ان کی کوشش ابتدا سے یہی رہی کہ مسلمان صوبوں میں اپنی حقیقی حیثیت حاصل نہ کر سکیں یا حاصل کریں تو ہندو اکثریت کو زیادہ سے زیادہ با اقتدار مرکز کے ذریعے سے صوبائی مسلم اکثریتوں کو غیر مؤثر بنانے کا موقع مل جائے۔

"کانگرس، مہاسبھا یا دوسرے ہندو گروہوں کی تمام تجویزوں اور سکیموں کو سامنے رکھ لیجئے۔ آپ کو سب میں ہندوؤں کی یہ غرض و غایت نمایاں نظر آئے گی۔ مثلاً نمائندہ نظام کے آغاز میں ہندوؤں کی کوششیں یہ رہیں کہ رائے دہی کا معیار ایسا ہو جس میں مسلمان اکثریت کے دوائر میں بھی اپنی حیثیت کو بروئے کار نہ لا سکیں۔ اور معلوم ہے کہ پنجاب و بنگال میں ابتداءً مسلمان حقیقی نمائندگی سے محروم تھے، اور کافی جدوجہد کے بعد انہیں اپنی نمائندگی کو مؤثر بنانے کے لئے جداگانہ انتخاب کے اصول پر زور دینا پڑا تھا جب جداگانہ انتخاب رائج ہو گیا اور ہندوؤں کو نظر آنے لگا کہ مسلمان آہستہ آہستہ بعض صوبوں میں اکثریت حاصل کر لیں گے تو انہوں نے میثاق لکھنو کا جال بچھایا۔ سندھ کی مسلم اکثریت بمبئی کی زیادہ بڑی اکثریت میں شامل ہو کر اقلیت بن چکی تھی، صوبہ سرحد اصلاحات سے محروم تھا صرف پنجاب و بنگال کے مسلمانوں کا سوال سامنے تھا۔ ہندوؤں نے میثاق لکھنو میں ان دونوں صوبوں کے مسلمانوں کی اکثریت زائل کر دی۔ (انقلاب روزنامہ اداریہ ۲ جون ۱۹۴۱ء)

اسی موضوع پر اخبار نے قائداعظم کی تقریر کا حوالہ یوں دیا ہے۔

"مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ جہاں انہیں اکثریت حاصل ہے وہ اپنے انداز کے مطابق زندگی بسر کریں اور جہاں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہے، وہ اپنے رنگ میں عمل پیرا ہیں۔ ہر قوم اپنے فلسفے اپنے اعتقاد اور اپنے کلچر کے مطابق کام کرے۔ ایسی تجویز کو ہندوستان کے ٹکڑے کر ڈالنے سے تعبیر کرنے کا مدعا اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عوام کے دلوں کو زہر آلود کیا جائے۔ اقلیتوں کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔ خواہ ہندو حلقوں کے مسلمان یا مسلم حلقوں کے ہندو ہوں ہم مسلم اقلیتوں کے لئے پورے تحفظات فراہم کریں گے۔ ایسے تحفظات جو ہر مہذب حکومت کے ماتحت فراہم ہونے چاہئیں۔ مسلم حلقوں کی ہندو اقلیتوں پر بھی اصول کا یکساں اطلاق ہوگا۔"

یہ اخبار مسلمان افسروں کا پشت پناہ اور مسلمان ملازمین کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ ریلوے کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی حق تلفی کے عنوان سے لکھتا ہے۔

"سراینڈریو کلو نے یہ کیونکر اور کس بنا پر سمجھ لیا کہ ترقیوں کا فیصلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والے ہندو اور انگریز افسر فرشتے ہیں جن کا طرزِ عمل فرقہ واری سے کاملاً پاک ہے نیز مسلمانوں کے اس مطالبہ کی حقانیت سے سرابنڈر یوکلو یا کوئی دوسرا انگریز یا ہندو کیوں کر انکار کر سکتا ہے کہ انہیں پوری ملازمتوں میں مناسب اور جائز حصہ ملنا چاہیئے؟ اگر یہ حصہ نہیں ملا تو یقیناً بے انصافی ہوئی، آپ کچھ کریں، کسی انتظام کو اپنے لئے بہتر سمجھیں، لیکن اس بے انصافی کی تلافی ہونی چاہیئے۔

"کیا سرابنڈر یوکلو نے مسٹر حسین امام کے ان پیش کردہ اعداد پر غور فرمایا ہے کہ ترقیوں کے ذریعے سے انتیس ملازمتوں میں سے چودہ اینگلو انڈین لے گئے، تیرہ ہندو لے گئے، ایک مسلمانوں کو ملی اور ایک دوسری اقلیتوں کو، کیا یہ انصاف ہے، کیا سرابنڈریو کو اس بے انصافی کا کوئی احساس ہوا، وہ مسلوں کا بغور معائنہ کرنے کے دعوے دار ہیں، لیکن کیا انہیں یہ اندازہ ہے کہ جو مسلیں ان کے پاس پیش ہوئی ہوں گی۔ ان میں عام کارروائی ایسی رکھی گئی ہوگی کہ کوئی خامی بادی النظر میں معلوم ہو سکے؟ سرابنڈر یوکلو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اینگلو انڈین اور ہندو قدرت کی طرف سے ترقی کے خاص جوہر لے کر آئے ہیں، جن سے مسلمان محروم ہیں، بلکہ اس بے انصافی کی اصل وجہ و علت اس کے سوا کوئی نہیں کہ معاملات کا فیصلہ زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اور انگریز بالادست افسروں میں سے سرابنڈر یوکلو جیسے آدمی اپنے زعم کے مطابق انصاف پر عمل پیرا ہیں، لیکن حقیقتاً بے انصافی کے مرتکب ہوتے ہیں اور قوموں کے درمیان فرقہ وار کشمکش بڑھانے کے موجب بنتے ہیں ہمیں افسوس ہے کہ حکومتِ ہند کا ایک ذمہ دارانہ عہدہ سرابنڈر یوکلو جیسے آدمی کے حوالے کیا گیا جو خدا جانے کب سے ہندوستان میں رہتے ہیں، لیکن اس سرزمین کی فرقہ وار کشمکش کے مبادی سے بھی آگاہ نہیں۔" (روزنامہ انقلاب ۔ ۲۸ فروری، ۱۹۴۱ء)

اسی طرح پنجاب یونیورسٹی اور مسلمان کے عنوان کے تحت اخبار لکھتا ہے "...... یونیورسٹی کی بڑی بڑی ملازمتوں پر ایک نظر ڈال لیں۔ رجسٹرار غیر مسلم، تنخواہ ایک ہزار ماہانہ، کنٹرولر امتحانات غیر مسلم تنخواہ ایک ہزار ماہانہ، اور ایک کوٹھی، ڈپٹی کنٹرولر امتحانات مسلمان تنخواہ ساڑھے پانچ سو۔ دو غیر مسلم اور دو مسلمان جن میں سے ایک قائم مقام ہے ان کی تنخواہیں ساڑھے تین سو سے شروع ہو کر تین سو اسی تک جاتی ہیں سپرنٹنڈنٹ چار ہیں جن میں سے تین غیر مسلم ہیں اور صرف ایک مسلمان ہے۔ تنخواہیں فی کس ڈھائی سو ہیں۔

"آپ سوچیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جو اس صوبے میں اکثریت کے مالک ہیں اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہو سکتی ہے۔ غیر مسلموں کی فرقہ پرستی اس سے زیادہ بڑی شکل کیا اختیار کر سکتی ہے؟ آنریری وائس چانسلر صاحب ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کارکردگی پر انصاف کی نظر ڈالیں گے تو ہمیں یقین ہے کہ انہیں ہرگز خوشی نہیں ہوگی۔ انہیں اس لئے وائس چانسلر نہیں بنایا گیا تھا کہ ہر قابل ذکر عہدہ غیر مسلموں کے حوالے ہوتا جائے" اگرچہ ان غیر مسلموں جیسے سینکڑوں مسلمان پنجاب کے طول و عرض میں موجود ہوں" (روزنامہ انقلاب اداریہ، ۱۵ جون، ۱۹۴۵ء)

اسی طرح انقلاب نے "ہندوستانی صنعتیں اور مسلمان" کے زیرِ عنوان یہ اداریہ لکھا "...... ہندوستان میں شکر سازی کے بے شمار کارخانے کھل چکے ہیں لیکن ان میں شاذ و نادر ہی کوئی چھوٹا سا کارخانہ مسلمانوں کا ہوگا۔ کان پور سے دھاریوال اور احمد آباد سے بمبئی تک صدہا کارخانے پارچہ بافی کر رہے ہیں لیکن ان میں سے دو چار بھی ایسے نہ ملیں گے جن میں مسلمانوں کا سرمایہ لگا ہوا ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کارخانوں میں مزدوروں کی زیادہ تعداد بھی غیر مسلم ہے۔

"ان کے علاوہ انجینئرنگ اور میکینیکل صنعتوں پر بھی ہندوؤں کا قبضہ ہے۔

" ہندوستان میں ڈھلائی کے ہزاروں عظیم الشان کارخانے موجود ہیں جن میں پچاس پچاس اور سو سو لیتھ مشینوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ مگر نہ ان کے سرمائے میں مسلمانوں کا حصہ ہے نہ مزدوروں میں۔ ٹاٹا آئرن کمپنی ہندوستان کی سب سے بڑی اور کامیاب کمپنی ہے، لیکن اس میں مسلمانوں کی شرکت کا تناسب نہایت ہی افسوسناک ہے۔ جہاز ران کمپنیوں میں سندھیا سٹیم نیویگیشن کمپنی خالص ہندوستانی کمپنی ہے، لیکن اس میں مسلمانوں کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

"...... لیکن مسلمان اپنی ناداری اپنی عدم تنظیم اور اپنی بے ہمتی کی وجہ سے لازماً پیچھے رہ جائے گا حالانکہ آج دنیا میں سیاسی اقتدار۔ اقتصادی قوت کا غلام ہے۔ جو قوم اقتصادی اعتبار سے مضبوط ہوگی وہی سیاسی دائرے میں قوی رہ سکے گی۔ ہمارے نزدیک صنعت و حرفت کی ترقی کے موجودہ دور میں یہ مسئلہ اشد ضروری ہو گیا ہے کہ اس شعبے میں مسلمانوں کا حصہ متعین کرانے کے لئے جد و جہد کی جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کراچی، بمبئی، لاہور، مدراس، رنگون، کانپور اور دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صنعتی و تجارتی مرکزوں کے بڑے بڑے کاروباری مسلمانوں کی ایک کانفرنس جلد سے جلد منعقد کی جائے۔ جس میں ملک کی جنگی اور غیر جنگی صنعتوں میں مسلمانوں کی شرکت کے متعلق ایک تعمیری پروگرام تیار کر لیا جائے۔ اگر ایک دفعہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مدت دراز تک تلافی مافات نہ ہو سکے گی۔

یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد" (روزنامہ انقلاب اداریہ، ۲۱ جنوری ۱۹۴۱ء)

آزادی اور پاکستان کے عنوان سے انقلاب نے یہ اداریہ لکھا۔۔۔
"[کانگریس] کی خواہش یہ ہے کہ انگریزوں سے آزادی حاصل ہو جائے لیکن اس کے بعد سارے اختیارات ہندو اکثریت کو مل جائیں، مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ داخلی انتظام کے متعلق پاکستان کو بنیاد واساس بنایا جائے تاکہ مسلمان اپنے استقلال کی طرف سے مطمئن ہو کر انگریزی اقتدار سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے سرگرم جدوجہد کر سکیں۔ مسلمانوں کے نزدیک ہندوستان کی آزادی پاکستان کے بغیر ایک بے حقیقت شے ہے۔ اسے آزادی ہنود کہا جا سکتا ہے آزادی ہند نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک داخلی معاملات کے متعلق سمجھوتہ نہ ہو ہندوستان کی قوت انگریزوں سے مخلصی حاصل کرنے میں متحد نہیں ہو سکتی۔

"مسٹر جناح نے پشاور میں تقریر کرتے ہوئے یہی حقیقت واضح فرمائی۔ آپ نے گاندھی جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
پاکستان کا مطالبہ منظور کر لیجئے پھر دیکھئے ہندوستان کی آزادی کے لئے کون زیادہ خون بہاتا ہے میں یا آپ؟ لیکن جب تک اسلامی ہند کی آواز کو گوشِ دل سے سنا نہیں جائے گا۔ یقین کیجئے کہ میں دم واپسیں تک مسلمان کے خون کا ایک قطرہ بھی فضول نہ بہنے دوں گا۔"
(روزنامہ انقلاب۔ اداریہ، ۲۴ نومبر ۴۵ ۱۹ء)

اردو زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اخبار انقلاب رقمطراز ہے۔" جس دن سے وزیر تعلیمات پنجاب نے اسمبلی میں اعلان کیا ہے کہ صوبہ پنجاب میں تعلیم ابتدائی کا ذریعہ صرف اردو زبان ہوگی ہندؤوں اور سکھوں نے ایک طوفان بدتمیزی مچا رکھا ہے۔ جا بجا قرار دادیں منظور کی جا رہی ہیں کہ ہندی اور گورمکھی کو بھی ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔
ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہندؤوں اور سکھوں کو اپنی مذہبی تعلیم کے لئے ہندی اور گورمکھی کی تحصیل کی ضرورت ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے لئے دینی ضرورت سے قرآن مجید اور عربی زبان کی تعلیم لازمی ہے لیکن کسی مسلمان نے آج تک یہ مطالبہ نہیں کیا کہ عربی چونکہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے لہٰذا ان کے لئے عربی کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے۔" (روزنامہ انقلاب۔ ۹ جنوری ۱۹۴۱ء)

کانگریس کے عزائم کو بے نقاب کرنے کے لئے انقلاب نے بار بار اداریے لکھے ایک جگہ یہ اخبار لکھتا ہے "...... آج بھی جو مسلمان کانگریس کے ساتھ ہیں ان کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں لیکن کانگریس کیوں ملت اسلامیہ کو چھوڑ کر ان مسلمانوں کا دامن پکڑے بیٹھی ہے محض اس لئے کہ وہ کانگریس کی ہر بات کی تائید کے لئے تیار ہیں اور ملت اسلامیہ کے حقیقی نمائندے تیار نہیں ہیں۔
"غرض حکومت برطانیہ کی روش کو فرقہ وار مفاہمت نہ ہو سکنے کا عذر بنانے کی ضرورت نہ تھی۔ کانگریس اگر آزادی کی داعی تھی تو اس کا فرض تھا کہ اقوام ہند کو ساتھ ملاتی، لیکن یہ کام اس نے نہ کیا اور مسلسل و متواتر ایسی پالیسی جاری رکھی جو صرف ہندوؤں کے تسلط و اقتدار کا آئینہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری قومیں بالخصوص مسلمان کانگریس سے الگ ہو گئے۔ اس کی ذمہ دار حکومت برطانیہ نہیں ہے۔
"مثلاً مسلمانوں نے گول میز کانفرنس سے پیشتر اپنے مطالبات واضح طور پر کانگریس کے سامنے پیش کر دیئے تھے۔ کیا پنڈت جواہر لال کہہ سکتے ہیں کہ کانگریس کو ان مطالبات کی منظوری سے حکومت نے روکا تھا۔ کیا حکومت نے یہ کہا تھا کہ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کے حق اکثریت کو تسلیم نہ کرو یا مرکز میں انہیں ایک تہائی نیابت نہ دو یا طرز حکومت کو لامرکزی نہ رکھو؟ کیا گزشتہ انتخاب کے بعد حکومت نے یہ کہا تھا کہ کانگریس کو ایک پارٹی کی حکومت قائم کرنی چاہیئے اور دوسری پارٹیوں بالخصوص مسلمانوں کو ساتھ نہیں ملانا چاہیئے۔ غرض حکومت کی خواہش کچھ ہو۔ لیکن کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ اس سمجھوتے کو روکا یا اب جو افتراق موجود ہے اس کی ذمہ دار حکومت ہے۔ یہ سراسر کانگریس کی نالائقی کا کرشمہ ہے۔" (روزنامہ انقلاب۔ اداریہ ۲۶ مئی ۴۲ ۱۹ء)

"پاکستان کے متعلق چند روشن حقیقتیں کے عنوان سے اخبار لکھتا ہے" پاکستان کے خلاف بے سود اور بے نتیجہ سرگرمیوں میں جو وقت ضائع کیا جاتا ہے اگر اس کا کچھ حصہ پاکستان کو سمجھنے میں صرف کیا جائے تو غور فرمایئے ہمارے اختلافات کے حل کو کتنا فائدہ پہنچے۔ لیکن ایک بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصیبت یہ ہے کہ حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے والے آدمی کم ہیں اور اوہام کی بنا پر بے عمل شور مچانے والے بہت زیادہ ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم آزادی کی منزل کے سامنے پہنچے ہوئے ہیں ہندوستان کی عنان حکومت ہمارے ہاتھ میں آنے والی ہے لیکن اگر ہم میں ابھی تک یہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی کہ ایک دوسرے کے مسائل و امور کو ٹھیک سمجھ لیں اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے مناسب راہ عمل پیدا کر لیں تو انصاف سے بتایئے کہ ہم آزادی سے کیونکر متمتع ہو سکتے ہیں۔ یا ہمیں آزادی مل جائے تو اس کے فرائض و واجبات کو کیونکر پورا کر سکتے ہیں؟

"آزادی کا مفہوم اس کے سوا کیا ہے کہ ملک کے تمام طبقے اور تمام گروہ اپنے جائز حقوق سے بہ درجہ مستفیض ہوں اور تعاون و خیر سگالی سے ملکی نظم و نسق کو چلائیں۔ اگر ہم میں ابھی تک اتنی رواداری پیدا نہیں ہوتی کہ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کر سکیں تو اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ ہم آزادی کے مبادی سے بھی ناآشنا ہیں، آپ دوسروں سے اپنا حق مانگتے ہیں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ ہی آپس میں حق شناسی اور حق رسی کی عادت پیدا کریں۔

"پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ محض یہ کہ صوبے آزاد ہو جائیں۔ مرکز باقی نہ رہے اور ہر حصے میں اکثریتیں اور اقلیتیں اپنے جائز حقوق سے بوجہ احسن بہرہ مند رہیں۔ نہ اکثریتوں کے حقِ اکثریت پر کوئی ندیڑے اور نہ اقلیتوں کا کوئی مناسب حق غصب ہو سکے۔ حق و انصاف کی بنا پر اس نظریے سے اختلاف کی کون سی گنجائش ہے۔ مسلمانوں کے جذبہ انصاف کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ وہ جہاں اقلیت میں ہیں اقلیت کی پوزیشن کو بخوشی قبول کرتے ہیں۔ البتہ جہاں اکثریت میں ہیں ان کے حق اکثریت کو بے تکلف قبول کر لینا چاہیئے۔ اس طرح مسلمان زیادہ سے زیادہ پانچ صوبوں میں کارفرمائی کی حیثیت پیدا کر سکیں گے۔ باقی صوبوں میں اقلیتوں کی پوزیشن میں رہیں گے۔ ہندو اگر اس نظریے کے خلاف شور مچا رہے ہیں تو اس کا مطلب بغیر اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ انہیں [یعنی ہندوؤں کو] مسلمانوں کی حیثیت کارفرمائی سے خدا واسطے کی کاوش ہے اور چاہتے ہیں کہ دس کروڑ کی یہ قوم آزاد ہندوستان میں اپنے حق آزادی سے ابداً محروم رہے؟ کیا یہ چیز انصاف ہے؟ کیا یہ آزادی کا صحیح جذبہ ہے۔ یا کیا یہ حق شناسی ہے؟

"جب مسلمان مختلف صوبوں میں اقلیت کی پوزیشن پر قانع ہیں اور کسی جگہ کی ہندو اکثریت کے حق کارفرمائی سے منکر نہیں ہیں تو ہندوؤں کو کیوں یہ اضطراب ہے کہ اپنی اکثریت والے صوبوں میں حکمرانی کی پوزیشن حاصل کرنے کے علاوہ ایک غیر طبعی مرکز کے ذریعے سے مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھی تابعیت میں لے آئیں۔ حرص تسلط کی سیاست ہے جسے مٹانے کے لئے آج دنیا کی ہر سلیم القویٰ طاقت مصروفِ عمل ہے۔ اسے حق و انصاف اور دیانت دوستی کی سیاست ہرگز نہیں کہا جا سکتا ہٹلر اور مسولینی اور ہیرو ہیٹو کو ہم کیوں برا سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی سیاست حرص تسلط اور حق کشی پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں پہلے بھی خون ریزیاں ہوتی رہیں اور آج بھی چار برس سے ایک ہولناک خونریزی جاری ہے۔

"یہ بھی ظاہر ہے کہ ہندوؤں کو اس ابلیسی سیاست سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیا یہ معلوم نہیں کہ مسلمان پہلے چند زائد نشستوں کے طلب گار تھے؟ ہندوؤں نے اسی حرص و تسلط کی بنا پر ان نشستوں سے انکار کیا تو مسلمان صوبوں کی کامل آزادی اور مرکز کے کامل حذف پر پہنچ گئے۔ اگر اب بھی ہندوؤں کی طرف سے رد و خلاف کا سلسلہ جاری رہا تو نہیں کہا جا سکتا کہ کل کیا صورت پیدا ہو جائے لیکن ایک چیز ظاہر ہے اور وہ یہ کہ دس کروڑ مسلمان ہندوستان میں موجود ہیں ان کی رضامندی حاصل کئے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھایا جا سکتا اور ان دس کروڑ مسلمانوں کو نہ کوئی طاقت فنا کر سکتی ہے اور نہ ہندوستان سے باہر نکال سکتی ہے۔ ہندو کچھ کریں اور کچھ کہیں لیکن یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ اس سرزمین میں کوئی دستور مسلمانوں کی رضامندی اور تصدیق کے بغیر جاری نہیں ہو سکتا۔

غرض حق و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پاکستان کو قبول کر لیا جائے اور مصلحت کا حکم بھی یہی ہے مخالفانہ شور مچانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا یہ عذر کہ ہندوستان کی وحدت قائم رہے تو اس بارے میں باہم گفتگو ہو سکتی ہے، اور ہماری رائے کے مطابق ایسے راستے نکل سکتے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف اجزاء کے درمیان باوجود استقلال گہرا تعاون قائم رہے۔ لیکن یہ سب کچھ پاکستان کے اصل کو مان لینے پر موقوف ہے غلط بیانیوں کے ذریعے سے عام ہندوؤں کو گمراہ کر کے کوئی مقصد پورا نہیں کیا جا سکتا"۔ (روزنامہ انقلاب ۲۸ جون ۱۹۴۳ء)

کشمیر میں ذمہ دار حکومت کے قیام اور مسلمانوں سے انصاف کی جو تحریک چودھری غلام عباس اور شیخ عبداللہ نے شروع کی تھی۔ اس کی تائید میں پنجاب سے "انقلاب" پیش پیش تھا۔ اس نے ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان ہنرمند کاریگروں کی مظلومی اور مقروضی، تبدیلی مذہب اور ذبح بقر کی پاداشت میں ضبطی جائداد اور دس سال کی سزا، عام جبر و تشدد ناقابل برداشت ٹیکسوں کا بوجھ، غرض کشمیری زندگی کے تمام پہلو بے نقاب کئے۔ (صحافت پاکستان و ہند میں ص ۴۵۰) اور جب کشمیر کے مسلمان دو دھڑوں میں بٹ گئے تو "انقلاب" نے دونوں میں سمجھوتہ کروانے کے لئے کوششیں کیں، اس سلسلے میں اخبار لکھتا ہے۔

"ہمیں دلی افسوس ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھیوں اور مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کے کارکنوں میں سمجھوتہ نہیں ہو سکا، جس میں گفتگو کی تفصیلات اور اس کی ناکامی کے اسباب کا علم نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر جموں اور کشمیر کے مسلمان دو حصوں میں بٹے رہیں گے تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ ان کی قوت فکر و عمل ضائع ہو اور جن مصیبتوں کو دور کرنے کی اشد ضرورت مدت سے لاحق ہے ان کا سلسلہ زیادہ سے زیادہ لمبا ہو جائے۔

"کہا جاتا ہے کہ دونوں گروہوں کے درمیان فکر و نظر کے اختلافات کے باعث سمجھوتہ نہ ہو سکا لیکن اس اختلاف کی حیثیت کیا ہے؟ محض یہ کہ شیخ محمد عبداللہ کہتے ہیں کہ اگر دوسری قوموں کے افراد ساتھ ملا کر ذمہ دار حکومت کے لئے کوشش کی جائے اور یہ حکومت حاصل ہو جائے تو مسلمان اکثریت کے حقوق خود بخود محفوظ ہو جائیں گے، اور مسلم کانفرنس کی رائے یہ ہے کہ ذمہ دار حکومت کے لئے ایسی کوشش جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے دوسرے گروہوں کے ساتھ تعاون بھی کیا جا سکتا ہے لیکن موجودہ حالت میں چونکہ مسلمان اپنے حقوق سے بڑی حد تک محروم ہیں۔ لہذا ان کے لئے مخصوص کوشش بھی ضروری ہے۔ مسلم کانفرنس کو شیخ عبداللہ کے نقطۂ نگاہ سے اختلاف نہیں پھر شیخ صاحب کو مسلم کانفرنس کے نقطۂ نگاہ سے کیوں اختلاف ہے۔

"شیخ صاحب کی ایک بڑی غلطی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے اپنے غیر مسلم رفیقوں سے معاملات طے کرتے وقت مسلمانوں کے حصے کے تعین کا کوئی بندوبست نہیں کیا، حالانکہ یہ بندوبست اشد ضروری تھا۔ جو لوگ ذمہ دار حکومت کے مطالبے میں شیخ صاحب کے ہمنوا ہیں۔ وہ اس حقیقت سے غافل نہیں ہو سکتے کہ ذمہ دار حکومت میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہوگی پھر وہ آج مسلمانوں کے اس حق اکثریت کو خوش دلی سے کیوں قبول نہیں کرتے۔ شیخ صاحب نے ان سے کیوں یہ حق نہیں منوایا۔ اسی مقام سے جہاں پہنچ کر شیخ صاحب کی پوزیشن سخت غیر مقبول ہو جاتی ہے اور لوگوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نیشنل کانفرنس حقیقتاً شیخ صاحب کے غیر مسلم دوستوں نے صرف اس لئے کھڑی کی کہ مسلمانوں کے مطالبۂ حق و انصاف کو فی الحال پس پشت ڈالنے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ اور یہ سب کچھ کارکنان حکومت کے مشورے سے ہوا۔ شیخ صاحب کے لئے یہ شبہ یقیناً بڑا تکلیف دہ ہوگا لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ ایسے قول سے نہیں بلکہ عمل سے رد کیا جا سکتا ہے۔

"قائد اعظم نے بالکل درست فرمایا کہ مسلمانوں کی ٹھوس اور حقیقی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی ان کے اتحاد و تنظیم پر موقوف ہے"۔ ("روزنامہ انقلاب، اداریہ، ۲۹ مئی ۱۹۴۴ء)

انقلاب نے اس بات پر بار بار زور دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ چنانچہ اپنے ایک اداریے میں اخبار لکھتا ہے:

"لارڈ ویول کی تجاویز کے سلسلے میں کانگریس نے اور اس کی تائید میں بعض دوسرے گروہوں نے نیشنلسٹ مسلمانوں کے حصے کا جو مطالبہ پیش کیا ہے، اس پر ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔ لیکن مسئلہ ایسا ہے کہ اس کے مختلف پہلو بار بار توجہ کے محتاج ہیں۔

سب سے پہلے اس کی تاریخی حیثیت پر غور کیجئے جب کبھی کانگریس اور مسلمانوں کی کسی نمائندہ جماعت کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ ہمارے نیشنلسٹ بھائی بیچ میں اپنا معاملہ لے کر کھڑے ہو گئے مثلاً جب گاندھی جی دوسری گول میز کانفرنس میں جانے پر آمادہ ہو گئے تھے اور ان کی خواہش یہ تھی کہ فرقہ وار جھگڑے کو ہندوستان میں طے کر لیں اور دہلی میں ایک احتجاج کا انتظام ہوا۔ اس زمانے میں مسلم کانفرنس مسلمانوں کے مختلف طبقات کی نمائندہ تھی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی پر گاندھی اور مسلم نمائندوں میں گفتگو ہونے والی تھی۔ اس موقع پر نیشنلسٹ مسلمان مسلمانوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے اور یہ مطالبہ پیش کیا تھا کہ پہلے ہمارے ساتھ بات کرو پھر گاندھی جی کے پاس جاؤ۔ بظاہر یہ سارا کھیل گاندھی کی خواہش کے مطابق ہوا تھا۔ لیکن ان کی غرض غالباً یہ تھی کہ اس طرح مسلمانوں کو ڈرا کر اور پریشان کر کے رو براہ کر لیں۔ لیکن اس چال کا نتیجہ یہ نکلا کہ گاندھی جی بلا تصفیہ لندن چلے گئے۔ وہاں ان کی جو رسوائی ہوئی وہ ان کو بھی معلوم ہے اور ہم کو بھی معلوم ہے۔ یہ ان کی رسوائی نہ تھی ہندوستان کی رسوائی تھی۔

...... اب جو دعوت نامے جاری ہوئے ہیں اور جو تجاویز پیش ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ ان کی بنیاد و اساس جداگانہ قوموں کے نظریہ پر ہے دعوت نامے اصلاً دو بڑی جماعتوں کے نمائندوں کو دیے گئے ہیں ان کے ساتھ بعض اقلیتوں کی طرف سے ایک ایک نمائندہ بلایا گیا ہے اور مختلف صوبوں سے وزرائے اعظم غالباً اس خیال سے نہ لئے گئے کہ اگر کوئی مسئلہ کسی صوبے سے متعلق پیدا ہوا تو اس کی تشریح کر سکیں گے؟ نیز اس لئے کہ انہیں مختلف صوبوں کے نظم و نسق کا تجربہ تھا۔ لیکن جماعتوں کے نمائندوں کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک تو قوموں کے حق استقلال کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے درمیان توازن پیدا کرنے اور ایک سطح پر لانے کے لئے ہی فرقہ وار حقوق کو الگ الگ کر دینا ضروری ہے ورنہ جو قومیں پس ماندہ ہیں کبھی ترقی نہیں کر سکیں گی۔ لیکن ہم نے علیحدگی کو حق استقلال کی بنا پر ایک حقیقت ثابتہ بنایا ہے۔ لہٰذا آج مسلمانوں کی طرف سے نمائندے نامزد کرنے کا حق ہم کو یعنی صرف مسلم لیگ کو ہے۔

"دوسرے لوگ اس معاملے میں مداخلت کے مجاز نہیں ہیں۔ اس لئے بھی کہ وہ علیحدگی کے معتمد ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں تو انہیں ہماری جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے دوسرے اس لئے کہ انہوں نے محض اس حق کے حصول ہی کے لئے کوئی کوشش نہ کی بلکہ ہر موقع پر اس کی اشد مخالفت کی اور مسلمانوں کو اپنوں ہی کے تیر اپنے سینوں پر کھانے پڑے۔ پھر آج وہ حصہ کیوں مانگتے ہیں۔ اگر وہ ہندوؤں کو تحفظ حقوق کے مقدمے میں معتمد علیہ سمجھتے ہیں تو اس اعتماد پر رہیں تو یہ بڑی غیر معقول روش ہے کہ جب تک مسلمانوں کی جداگانہ ملی حیثیت کی مخالفت کا موقع تھا مخالفت کرتے رہے۔ جب اس مخالفت کا موقع نہ رہا تو اس کے جداگانہ حقوق میں سے اپنا حصہ الگ کرانے کے لئے تیار ہو گئے۔

"ایک گزارش اور، ایک تہائی نیابت قبول کرنا، نامزدگی میں دوسروں کی شرکت منظور کرنا اور پاکستان کی اصل تسلیم کرائے بغیر سب کچھ مان کر عارضی حکومت میں شامل ہونا ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لئے سب سے بڑی آفت کا موجب ہوگا۔

" اس طرح لیگ کی سال ہا سال کی محنت برباد ہو جائے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندو پروپیگنڈا آج کل بڑے زوروں پر ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی حلقہ ایسا ہو جہاں سے جناح کی مذمت کے پیغامات نہ پہنچے ہوں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ مسٹر جناح اور ان کے رفقاء ان حالات کا صابرانہ مقابلہ کریں گے جس طرح انہوں نے برسوں کیا ہے۔ ملت ان کے ساتھ ہے۔ ذاتی اغراض یا اعتبار کی اغراض کے ہتھکنڈے کب تک یہ معاندتیں جاری رکھ سکیں گے۔ لیگ کو ایسی سکیم کے قبول سے صاف انکار کر دینا چاہیئے۔ خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہو۔ مولوی فضل الحق کے حواریوں یا ہمخیالوں کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ ملت کے کہاں تک خیر خواہ ہیں لیگ کو صرف ملی مقاصد پیش نظر رکھنے چاہئیں" (روزنامہ انقلاب اداریہ، ۶ جولائی، ۱۹۴۵ء)

روزنامہ انقلاب نے مسلمانوں کے باہمی تفرقہ کو ہمیشہ نقصان خیال کر کے اس سے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی اور مختلف برادریوں کی تنظیمیں بنانے کی مخالفت کی۔

"یہ تنظیمات وحدت و اجتماع ملت کے سراسر خلاف ہیں چاہیئے کہ مسلمان صرف کلمہ توحید کو اپنے ملی نظام کی بنیاد و اساس بنائیں۔ رنگ، نسل، پیشہ، معاشرتی درجات، جغرافیائی حدود یا اس قسم کے دوسرے عوامل تفریق سے بالاہتمام احتراز کریں۔ اسی طرح ان کی ملی اور جماعتی حیثیت مستحکم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وہ ہندوستان میں اپنے اور اسلام کے مستقبل کو بوجہ احسن محفوظ کر سکتے ہیں۔ اسی راستے پر چل کر پاکستان حاصل ہو سکتا ہے اور اسے عملاً کامیاب بنایا جا سکتا ہے اگر وہ برادریوں، ذاتوں اور مذہبی فرقوں میں بٹے رہے تو وحدت ملت کیونکر قائم رہے گی۔

"جس طرح ہم برادریوں کی جداگانہ تنظیمات کو مقصد ملت کے ساتھ کھلی ہوئی دشمنی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اس امر کو بھی حد درجہ برا سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے اپنی علیحدہ سیاسی جماعتیں بنائیں یا انہیں قائم رکھیں۔ اس بنا پر ہمیں شیعہ پولیٹیکل کانفرنس سے سخت اختلاف ہے۔ اور اگر کسی دوسرے فرقے نے اسی نوع کی کوئی جماعت بنا رکھی ہے تو اس کے متعلق بھی ہماری رائے یہی ہے اور ہر مسلمان کی رائے یہی ہے اور ہر مسلمان کی رائے یہی ہونی چاہیئے۔

"برادریوں اور فرقوں کی جداگانہ تنظیمات کا ہونا ہمیں تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ جو لوگ ملت کی مجموعی تنظیم میں اونچے درجات پر پہنچنے کی راہ نہیں پاتے وہ اس قسم کے ڈھونگ کھڑے کر لیتے ہیں۔ انفرادی اغراض کو جماعتی وحدت کے خلاف استعمال کرنا شدید قومی گناہ ہے جس سے ہر مخلص مسلمان کو بچنا چاہیئے۔ جو تفرقہ انگیز اصحاب ذاتی مقاصد کے لئے ملت کو پارہ پارہ کر ڈالنے میں بھی تامل نہیں کرتے ان سے ملت کو یا اس کے کسی ٹکڑے کو فلاح و بہبود کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

"فرقوں کی تنظیمات بدرجہ اضطرار صرف مخصوص مذہبی مصلحتوں کے لئے گوارا کی جا سکتی ہیں لیکن ان تنظیمات کو ملت کے عمومی سیاسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقاصد میں مداخلت کا موقع نہیں دیا جا سکتا اور برادریوں کی جداگانہ کانفرنسوں کے لئے تو کسی درجے میں بھی کوئی وجہ جواز نہیں۔

پاکستان جاٹ یا راجپوت، پٹھان یا سید، شیعہ سنی، اہل حدیث یا کسی دوسرے مذہبی یا نسلی گروہ کا مطمح نظر نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کا قومی نصب العین ہے۔ خواہ کسی نسل اور عقیدے کے ہوں مسلمان جب تک کامل اتحاد و اتفاق سے ایک منظم و مستحکم ملت کی حیثیت میں اس کے لئے کام نہیں کریں گے یہ نصب العین نہ ہو گا اور حصول کے بعد اسے قائم رکھنے اور اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کی صورت صرف یہ ہے کہ ملت کا اتحاد مضبوط و مستحکم رہے۔ پنجاب پاکستان کی سب سے بڑی امیدگاہ ہے۔ یہاں بالخصوص کسی قسم کا تفرقہ اور کسی نوع کا انتشار ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا جاٹ، راجپوت، ارائیں، شیعہ، سنی وغیرہ کے ہر امتیاز کو یک قلم فراموش کر کے ہر مسلمان کو صرف مسلمان اور کلمہ گو کی حیثیت میں کام کرنا چاہیئے اور ہر قومی کارکن کا فرض ہے کہ وہ اسی اصل کو دعوت و عمل کی بنیاد بنائے۔" (روزنامہ انقلاب اداریہ، ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

اسی طرح اس اخبار نے مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے باہمی اختلافات دور کرنے کی کوشش بھی کی: "صحیح راستہ یہی ہے کہ ہر شخص اتحاد کو نصب العین بنائے۔ اس میں مسلمانوں کی بھلائی ہے اور موجودہ صورت حالات کے مختلف پہلوؤں پر غیر جانبدارانہ حیثیت سے غور کیا جائے گا ہر مسلمان پر ہماری اس گزارش کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جائے گی۔

" مثلاً آپ پنجاب کے حالات کو سامنے لائیے۔ باہمی افتراق کا نتیجہ کیا نکلا! یہ کہ مسلمانوں کی پوزیشن پنجاب میں کمزور ہو گئی۔ دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ لیگ پارٹی یہ پیغام لے کر نکل کھڑی ہوئی کہ یونینسٹ مسلمان اس کائنات میں پاکستان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ حالانکہ ہمارے علم کے مطابق ان میں سے ایک ایک شخص پاکستان کا بہ دل معتقد تھا اور ہے اور اختلاف پاکستان یا کسی دوسرے ملی مقصد پر نہیں ہوا بلکہ صرف کوالیشن کے نام پر ہوا تھا۔ یونینسٹ مسلمانوں کے کارفرماؤں نے زمیندارہ لیگ کی تنظیم شروع کی یعنی اپنے لئے ایک مخلوط پارٹی کا سہرا پیدا کیا جس کی اچھائیوں اور برائیوں پر بحث کا یہ موقع نہیں لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ صوبہ جاتی دائرے میں یونینسٹوں کے اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے یہ تنظیم کتنی ہی مفید سمجھی جائے تاہم یہ ملت اسلامیہ کے عمومی اور اجتماعی مقاصد کے لئے ہر اعتبار سے مضر تھی؟ غیر مسلم عناصر نے طبعاً اس تنظیم کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ اس لئے کہ یہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو زیادہ سے زیادہ کمزور کرنے والی تھی اور ان کے ایک معتدبہ عنصر کو ملی مقاصد کے سلسلے میں معطل بنا دینے والی تھی۔

"غرض مسلمانوں کے دونوں گروہ آپس میں لڑتے رہے اور ان کی ساری سرگرمیاں غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے وقف ہو گئیں ہمیں کوئی مسلمان ازراہ کرم بتائے کہ کیا اس طرز عمل میں ملت کی بہبود کا کوئی پہلو نظر آتا ہے۔ کیا پاکستان کے حصول کی شکل یہی ہے کہ مسلمان آپس میں لڑ کر غیر مسلموں کے لئے تقویت کے اسباب فراہم کرواتے جائیں۔"

فرض کیجیئے کل انتخابات کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر اتحاد و اتفاق کے ساتھ کام کریں تو وہ پنجاب میں اکانوے یا بانوے نشستیں حاصل کر سکتے ہیں۔ فی الحال انہیں ۸۹ نشستیں حاصل ہیں جن میں سے دو نشستوں پر کانگرسی قابض ہیں اور دو پر احراری، باقی نشستیں لیگیوں اور یونینسٹوں میں منقسم ہیں۔ غالباً پچیس لیگی ہیں اور بقیہ یونینسٹ۔

" اس حالت میں انتخابات آجائیں تو مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے درمیان جنگ ہو گی اور جن مخلوط نشستوں کے لئے وہ متحدہ حیثیت سے کامیاب کوشش کر سکتے ہیں وہ نشستیں یقینی طور پر غیر مسلموں کے قبضے میں چلی جائیں گی ممکن ہے کانگرسی اور احراری بھی مزید نشستیں لے جائیں بقیہ نشستوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ یا تو لیگ پانچ دس مزید نشستیں لے جائے گی یا یونینسٹ مسلمان اس سے مزید پانچ دس نشستیں چھین لیں گے بتایئے اس صورت حال کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اگر لیگ پچیس کے بجائے چالیس نشستوں پر قابض ہو جائے گی تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ مسلمانان پنجاب کی تنہا نمائندہ ہے۔ اگر یونینسٹ مزید پانچ دس نشستیں لے جائیں گے تو اول لیگ کی نمائندگی عامہ کا دعویٰ پنجاب کے تعلق میں ختم ہو جائے گا۔ دوسرے پنجاب کے مسلمانوں کی تقدیر ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں چلی جائے گی جو مخلوط ہے نیز محض ایک صوبے تک محدود ہے۔ دونوں صورتوں میں نقصان صرف مسلمان کا ہو گا۔

بربادی کے یہ تمام عوامل کیوں پیدا ہوتے، کیا یونینسٹ مسلمان مسلمانوں کی عام پالیسی سے اختلاف رکھتے ہیں یا پاکستان کے معتقد نہیں ہیں یا یہ چاہتے ہیں کہ خدانخواستہ مسلمانوں کی جماعتی حیثیت برباد ہو جائے۔ ہرگز نہیں، ہم ہمیشہ سے یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ سارے تصورات

بقیہ صفحہ

© rasailojaraid.com